

## Iqbal's struggle against political colonialism

اقبال کی سیاسی استعماریت کے خلاف جدوجہد

ڈاکٹر زاہد اختر شاہین

عدنان لیاقت

فرید سرور

احمد وقاص شاکر

ایسوسی ایٹ پروفیسر (اردو) ورننگ خواجہ فریدیونی ور سٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی رحیم یار خان  
سکالر ایم فل اردو خواجہ فریدیونی ور سٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی رحیم یار خان  
سکالر ایم فل اردو خواجہ فریدیونی ور سٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی رحیم یار خان  
سکالر ایم فل اردو خواجہ فریدیونی ور سٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی رحیم یار خان

### Abstract

In addition to Iqbal's academic, intellectual and literary services, he also showed his emotions in the field of politics and the Muslims of India, who were deprived of their empire in 1857 after ruling India for a thousand years, regained courage and spirit in them to woke up and also gave hope for a new homeland Under the political leadership of Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah, he gave the dream of getting Pakistan.

اقبال کی فکری سوچ اور علمی و ادبی خدمات کے علاوہ انہوں نے سیاست میں بھی اپنا لوہا منوایا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو جسوں نے ایک ہزار سال تک ہندوستان پر کامیابی سے حکومت کی کرنے کے بعد 1857ء میں ان کی سلطنت چھن گئی تھی لیکن ان میں دوبارہ ہمت و جذبہ بیدار کیا۔ خطبہ الہ آباد جو ایک نئے وطن کی نوید تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے زیر سیاحیہ سیاسی قیادت میں پاکستان حاصل کرنے کا خواب دیا۔ اقبال نے پنجاب میں انگریزوں کی سیاست کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس صوبے کے جاگیردار اور برطانوی سرکار استعماریت کے اہم پہلو تھے۔ اقبال نے اس دور کے نوجوانوں میں ہمت و جوش کا جذبہ پیدا کیا۔ سیاسی رہنما اقبال کے اڈکار کو بھول چکے ہیں اور ذاتی مقاصد کو ملک کی ترقی پر اہمیت دیتے ہیں اس عمل سے غریب پاکستانی قوم مسلسل تاریکیوں میں گھرتی چلی جا رہی ہے اور کسی نئے اقبال کے آنے کے انتظار میں ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر ہی تو اقبال نے کہا تھا کہ:

ضمخم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل

یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ، لالہ میں ہے

وہی جہاں ہے تیراجس کو تو کرے پیدا

یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے (۱)

اقبال نے جب مغرب کی سیاسی استعماریت کے جدوجہد کا آغاز کیا تھا تو اس دور میں مہذب اقوام کے ہاتھوں ہونے والی سیاسی اور تہذیبی تبدیلیاں اقبال کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ اہل مغرب کی پوری تاریخ ان کے سامنے کتاب کی صورت میں کھلی ہوئی تھی جس کا انھوں نے بڑے غور سے جائزہ لیا تھا تب ہی انھوں نے مغرب کی کلیسیائی نظام، نسلیت، رہبانیت، وطنیت، اور قومیت کے استعمال کی پختہ وجوہات بیان کیں کہ کس طرح اہل مغرب نے ان تمام نظاموں کو اپنے ہاں اپنانے کے بعد اہل مشرق کے ہاں اپنے

مقاصد کے حصول کے لیے رائج کرنا شروع کر دیا ہے۔ اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن کا مشاہدہ عالم جوانی میں کیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں لندن میں جب اقبال قیام پذیر تھے عالم اسلام کے کئی حصوں سے آئے ہوئے اور خاص طور پر برصغیر سے تعلق رکھنے والے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ بین اسلامزم کی تحریک سے گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اقبال نے سوسائٹی کے زیر اہتمام کئی لیکچر بھی دیئے تھے۔ ہندوستان اور جرمنی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے قیام کے بعد جب اقبال ہندوستان واپس آئے تو انھوں نے پنجاب مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اس عرصہ میں مغربی حاسدین نے عالم اسلام پر کئی کاری ضربیں لگائیں۔ ان میں جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور ایران پر روسیوں کی یلغار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لہذا اقبال ان حالات میں اپنے آپ کو کس طرح الگ تھلگ رکھ سکتے تھے۔۔۔ یوسف عزیز نے لکھا ہے کہ:

۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ جو پہلی جنگ کی ہولناک تباہیوں پر مشتمل ہے  
برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بڑا نازک اور کٹھن مرحلہ تھا۔ دوران جنگ تمام  
نامور مسلم زعماء مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ابوالکلام آزاد اور مولانا  
ظفر علی خان قید و بند کی آزمائش سے دوچار تھے۔ حکومت برطانیہ برصغیر کے  
مسلمانوں سے وعدہ تو کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں ۲۵-۱۹۱۸ء تک  
کا زمانہ بھی برصغیر کی سیاسی زندگی میں بڑا طوفان خیر تھا۔ ۱۹۱۹ء میں رولٹ بل  
کی منظوری، جلیانوالہ باغ کا قتل عام، پنجاب میں مارشل لاء کا نفاذ، ترک  
موالات اور تحریک خلافت کا آغاز اس پر آشوب عہدے کے ہی مختلف پرتو ہیں۔  
چنانچہ اس "طوفان بے تمیزی" میں اقبال عملی سیاست میں قدرے محتاط رہے  
اور گھر کی چار دیواری کو "کشتی نوح" سے تعبیر کرتے رہے۔ البتہ علمی سطح پر ان  
کی شعری تصانیف اسرار خودی، زمزم بے خودی، پیام مشرق اور بانگِ درانے  
اس پر مردہ اور خوابیدہ قوم کو ایک نیا عزم اور ولولہ دیا" (۲)

یہ حالات واقعات اقبال کے ان خیالات کو مزید مضبوط کر رہے تھے جو قیام پورپ میں اقبال نے مغربی تہذیب اور سیاسی استعماریت کے حوالے سے قائم کیے تھے۔ اقبال کی فکر میں یہ عقائد ایک پختہ عقیدہ بلکہ ایک مسلمہ سچائی کا درجہ رکھتا ہے کہ برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے مشرق کی زوال اور مصائب کی وجہ سیاسی استعمار اور مغربی تہذیب ہی ہے جس نے مشرقی اقدار کو بُری طرح کچل کر رکھ دیا تھا۔ بات یہاں تک نہیں رہی بلکہ اظہارِ نفس کی خوشی سے بھی محروم کر دیتا تھا حتیٰ کہ یہ ہی وہ خوشی تھی جس کی بدولت کبھی اس میں ایک شان دار تہذیب نے جنم لیا تھا۔ اس لیے وہ پکاراٹھے:

وہ فکر گستاخ جس نے عربیاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو  
اسی کی پیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ  
جہاں نوہور ہا ہے پیدا وہ عالم پیرا مر رہا ہے  
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ (۳)

قیام پورپ میں ہی اقبال پورپ کی جدید تہذیب کی اصلیت سے واقف ہو گئے تھے۔ مغرب میں تنگ نظری، تعصب اور خود غرضی کو تہذیب اور سیاست کے نام دے کر اپنے استعماری مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جنگ عظیم اول کی بربادی اہل مغرب کے لیے ایک طعنہ تھا اس میں جس تہذیب و ثقافت، وطنیت اور مساوات کے پرچے اڑ گئے تھے۔ مغربی تہذیب و ثقافت اور ظلم و زیادتی یلغار میں مشرقی عوام میں جو رنگیناں دیکھی، اقبال نے ان رنگینوں میں منافقت اور بے حیائی کو بڑے غور سے دیکھا اقبال کی فکر میں یہ بات احساس کی حد تک نہیں تھی بلکہ انھوں نے فکری استحکام کے بد دولت استعمال کے خلاف باقاعدہ مخالفت کا آغاز اپنے قلم سے شروع کر دیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

خالص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی  
ان کی جمعیت کا ملک و نسب پر انحصار  
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری  
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں  
اور جمعیت ہوئی رخصت ہوئی رخصت تو ملی بھی گئی

(ب، د: ۲۴۸)

اقبال کی اس فکر کا در مدار عالم اسلام کے ممالک پر تھا مگر وہ ساری دنیا میں ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ اقبال کے ہاں تہذیبی اور سیاسی استعمار و طاقت ہے جس کے خلاف کوئی ذہنی رویہ تخلیق نہیں ہوتا بلکہ وہاں اس ضمن میں پورا ذہنی ارتقا پایا جاتا ہے۔ اقبال کی فکر پورے مشرق میں ہونے والی سیاسی استعماریت پر محیط ہے۔ ان کے پورے اس فکری نظام میں کسی ایک علاقے کے ساتھ ذہنی آسودگی اگر ادا دی ہے بھی تو اتفاقی بھی ہے۔ یہی فکری رویہ ان کی اس عظیم جدوجہد کو عالم اسلام میں منفرد اور دوامی حیثیت عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ:

"اقبال کا فلسفہ حیات بھی شدت کے ساتھ رجائی ہے، وہ دنیا والوں  
کیلئے امید کا پیغام رساں ہے جیسا کہ ہر اولوالعزم نبی بھی  
"لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"

ہی کی بشارت انسانوں تک پہنچانے کیلئے آتا ہے، اس نظم میں  
یاس انگیزی جب ایک خاص حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اقبال ایک بیک چو نک  
اٹھتا ہے کہ ہیں یہ میں نے اپنے اوپر کیا غلط جذبہ طاری کر لیا ہے۔ فنا تو  
زندگی کی ماہیت نہیں ہو سکتی، قدیم اقوام کے زوال پر نظر ڈالتے ہوئے

ملت مسلمہ کی طرف آئے"

آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

آسمان سے ابر آزادی اٹھا برسا گیا (۴)

اقبال کی فکر کے مطابق یورپی استعماریت کی جڑیں تمام دنیا میں اپنی جڑیں پھیلا رہی تھیں اور اس کے پس پردہ وہ سرمایہ دار نظام تھا جسے صنعتی انقلاب نے روح بخشی تھی سیاست، دولت کے تمام وسائل پر ان کا راج تھا۔ تو آبادیاتی ممالک سے جو خام مواد ہاتھ آتا اور پھر اسی خام مواد سے تیار شدہ مصنوعات کے لیے یہی ممالک منڈیاں فراہم کرتے۔ افزائش ایشیا کی تیز رفتاری سے یقیناً سرمایہ و محنت کے درمیان جو تعلق اور روابط قائم ہوتے جا رہے تھے انھوں نے براہ راست زراندوزی اور استحصال کے عمل کو طاقت بخشی تھی۔ یورپ کی ترقی یافتہ قومیں پس ماندہ ممالک کو اپنی لالچ کی زد میں کرتی جا رہی تھیں اور معاشی گرفت کے مضبوط کرنے کے بعد ہی وہ سیاسی اداروں، تہذیب و افکار اور روزمرہ زندگی پر ان کو غلبہ حاصل ہو رہا تھا جس سے استعماریت کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ "خضر راہ" جو اقبال کی ابتدائی نظموں میں بہت اہمیت کی حامل ہے، اس نظم میں اس سیاسی اضطراب، کو موضوع بنایا گیا ہے جو پہلی جنگ عظیم چھڑنے کا باعث بنا تھا:

اے تری چشم جہاں ہیں پر وہ طوفان آشکار  
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں غموش  
"کشتی مسکین" و جان پاک، و دیوار یتیم

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرانورد (۵)

ان اشعار میں اقبال نے حاکم قوم کو برتری اور محکوم اقوام گرفتار ہوتی جا رہی ہیں۔ پیام مشرق میں بھی اقبال نے "قسمت نامہ مزدور" کے عنوان سے دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر طنز یہ انداز میں اظہار خیال کرنے کی کوشش کی ہے۔ نظم میں یہ بار و کرایا گیا ہے کہ دولت صرف سرمایہ دار کا مزدور کے ہاتھ میں جو دولت تھی ہے وہ وہم گماں سے زیادہ نہیں ہے۔ "مسو لینی و قیصر ولیم" کے عنوان سے ایک نظم میں بھی اسی کش مکش کی داستان بیان کی گئی ہے جو سرمایہ دار اور محنت کش طبقے کے درمیان پائی جاتی ہے۔ یہ سب نظمیں اس وقت لکھی گئی تھیں۔ جب روس کا مشہور انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اقبال نے بھی اس کی حمایت کی تھی کیوں کہ انقلاب کی بدولت محنت کش اور استحصال زدہ طبقہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ روس میں بھی اس کے نتیجے میں سوشلسٹ حکومتیں قائم ہو چکی تھیں جو عوام کے حقوق کے تحفظ کے علم بردار تھیں۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے لکھا ہے کہ:

"اقبال کی ایک اور نظم "طلوع اسلام" میں ہمیں کچھ جھلک اس ایشیائی جنگ  
آزادی اور اس کے نتائج کے حصول کی نظر آتی ہے جو عام طور پر سیاسی اور  
معاشی استبداد کے خلاف لڑی جا رہی تھی اور جس کا تعلق مسلمانوں سے بھی تھا  
جنگ عظیم کے ختم ہونے پر یورپ کی قومیں ترکی کے حصے بخرے کرنے پر تلی ہوئی  
تھیں اور اس کا مستقبل تمام تر ان کے رحم و کرم پر منحصر تھا۔ (۶)

اقبال کے نزدیک مسلمان مفکرین سے مختلف نظریہ پایا جاتا ہے۔ یہ اسلامی بیچینی کو مغرب کے اس استعمار کے مقابلے میں ایک الگ سیاسی وحدت تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں میں بیداری، حریت، حقوق کے تحفظ، ظلم کی دیوار کو گہرانے اور ایمان و عمل کی سرشاری پیدا کرنے اور غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونا وہ شعور ہے جو قوم کو بلندی فکر اور حریت عطا کرتا ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے  
یقین پیدا کرے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے  
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی  
ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے  
یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا  
کہ اقوام زمین ایشیا کا باساں تو ہے  
سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۷)

مشرقی عوام اور مشرق میں مغرب کے استعمار، تہذیبی و سیاسی اثرات کا سایہ گہرا تھا اور ایک طرح کے استحصال کی واضح پر چھائی نظر آتی ہے۔ مغربی سیاسی استعماریت نے تہذیبی تصادم کی ایک واضح صورت پیدا کر دی تھی۔ لوگوں کی سوچ تضاد کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے ماضی سے پوری طرح تعلق توڑنے کی جرت نہیں رکھتے نہ ہی آئندہ آنے والے دنوں اور حالات، تقاضوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان دونوں ایسے رہنماؤں کی کمی تھی جو صحیح معنوں میں مسلمانوں کے لیے راستے کا تعین کرتے۔ جو تھے وہ مصلحت اور مروجہیت کا شکار ہو چکے تھے۔ اقبال ہی اس دور میں ایسے رہنما کے طور پر سامنے آئے جنہوں نے مغربی چالوں کا ان کی تہہ میں اتر کر تجزیہ کیا اور پھر اس کا حل بھی تجویز کیا۔ ڈاکٹر شاز یہ عندلیب لکھتی ہیں:

"علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کو انقلاب فکر اور انقلاب عمل کی دعوت دی  
اور وہ جمود اور بے عملی کے سخت ترین مخالف رہے ہیں۔ وہ جس عملی اور

فکری انقلاب کی حمایت کرتے ہیں وہ اسلامی فکر کی احیاء کا ضامن ہے۔ دین اسلام کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا اور قرآن و حدیث سے کسب

فیض کرنے اور عمل کرنے پر زور دیتے ہیں" (۸)

اقبال نے مغربی استعماریت کی نفی کی بنیاد اصولوں پر رکھی تھی کیوں کہ وہ جان چکے تھے کہ مغرب اپنے آپ کو پوری دنیا اور خاص طور پر مسلمانوں پر حکومت کرنے کے قابل بنانے کے لیے اخلاقیات سے عاری معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔ اہل مغرب جنہوں نے جمہوری لبادے اوڑھے ہوئے تھے وہ اپنے مکر و فریب اور قوت و طاقت کے بل بوتے پر گزشتہ دو ڈھائی صدی کے عرصے میں اہل مشرق کے شب و روز تنگ کیے ہوئے تھے۔

یہ وہ عرصہ تھا جو اہل مشرق اور مسلمانوں کے سیاسی و تہذیبی انحطاط کا تھا۔ مشرق و مغرب کا یہ تصادم اگر صرف میدان جنگ تک ہی محدود رہتا تو شاید اتنی قباحت پیدا نہ ہوتی لیکن اب تو اس تصادم کا رخ میدان جنگ سے ہٹ کر اندر خانہ یعنی تہذیب و اقدار کی طرف ہو گیا۔ انیسویں صدی میں مشرق و مغرب کا یہ تصادم بہت زیادہ خطرناک تھا۔ کیوں کہ اقبال کے خیال میں میدان حرب و ضرب میں شکست خوردگی کے بعد قومیں سنبھل جایا کرتی ہیں مگر ذہنی اعتبار سے شکست خوردہ ہونے کے بعد پینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ:

"تہذیبوں کی پیدائش اور ان عروج و زوال کے اسباب کا مسئلہ اس قدر پرانا ہے کہ زمانہ حال میں فلسفہ تاریخ کے بڑے بڑے مفکر اسپنکھر، ٹائٹلے و غیرہ متضاد نظریات پیش کرتے ہیں۔ کوئی نظریہ اس کا تسلی بخش جواب نہیں دیتا کہ بعض ادوار میں ایک بیک کسی قوم میں ایک غیر معمولی زندگی پیدا ہو جاتی ہے ہر شعبے میں غیر معمولی عبقری ابھرتے ہیں، جمال اور عظمت و قوت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان پر پہلے خفگی طاری ہوتی ہے اور موت۔ ایک تہذیب ابھی مرنے نہیں پاتی کہ کسی جگہ غیر متوقع طور پر نئی

زندگی پیدا ہوتی ہے" (۹)

تہذیبوں کی پیدائش اور ان کی عروج و زوال کا مسئلہ اس قدر الجھا ہوا ہے کہ آج کے زمانے میں تاریخ اور فلسفہ کے کئی مفکر اس پر کوئی اکابر ندرائے یا تسلی بخش جواب نہیں دیتے ہیں لیکن علامہ اقبال اپنی تہذیب اور نوجوانوں کے فکر مستقبل کو بڑے سوچ و بچار سے بیان کرتے ہیں کیوں کہ مغربی تہذیب میں تیزی سے اپنی نوجوان نسل کو ان کے رنگ میں ڈھالتے ہوئے دیکھ کر ان پر لاشعوری طور پر ایک فکر طاری ہو جاتی تھی۔

ڈاکٹر محمد ریاض کے بقول:

"علامہ اقبال نے سیاسی اور معاشی مسائل کا ماحول عام ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ سیاسی استحصال معاشی استبداد کا پیش خیمہ ہے اور علامہ اقبال کے محبوب ترک رہنما محمد سعید پاشا (۱۹۲۱ء) کی نظر میں دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ ایک استحصال کے ذریعے دوسرے کو کام میں لاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کا بھی یہی شیوہ ہے وہ معاشی دباؤ کے ذریعے سیاست میں دخیل ہوتے

ہیں" (۱۰)

اقبال جانتے تھے کہ معاشی بد حالی ہی دراصل تمام مسائل کی جڑ ہے۔ اس کو استعمال کر کے مغربی اقوام، سیاسی استعماریت کی بنیادیں مضبوط کرتی ہیں۔ اقبال جو مغربی سیاست کی تہہ میں موجود مادیت کا لاوا دیکھا تھا، جس پر اس تہذیب کی بنیاد ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ تہذیب بے بنیاد اور کھوکھلی تھی۔ عورت کی بے جا بانہ آزادی کو بھی مغرب کی تہذیبی استعماریت کا ہی شاخسانہ سمجھتے تھے۔ وہ عورت کو عزت و تکریم کی جڑ خیمال کرتے ہیں جس سے تمام نیکیاں جنم لیتی ہیں۔ اسے تعلیم کے زیور سے آگاہ کرنا پورے خاندان کو تعلیم دینا ہے مگر تعلیم کی آڑ میں مساوات مرد و زن پر اقبال نے تنقید کی اور اسے بھی تہذیب افراگ کے شاطرانہ حملے سے تشبیہ دی ہے۔ اقبال نے جہاں مغربی استعماری پر تنقید کی وہاں مشرق کی سست روی اور سہل پسندی پر بھی خوب تنقید کی مگر پھر بھی انہیں مشرقی اقدار کی چٹنگی پر پورا ایمان تھا۔

یہ حکمتِ ملکوئی، یہ علم لاہوتی

حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور

تری خودی کے نگہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۱۱)

اقبال کی جدوجہد کی خوب صورتی یہ ہے کہ انھوں نے جدوجہد صرف ایک خطے کے تناظر میں نہیں کی بلکہ پورے عالم اسلام کو مغرب کی سیاسی اور تہذیبی استعماریت سے آگاہ کیا اور مغربی عزائم پر کھل کر تنقید کی جو جوان نسل کو مغرب کی طرف راغب ہونے اور اسلام سے دوری پر صرف تباہی کی نوید سنائی اور اس کے لیے شاعری کے علاوہ نثر، خطبات فارسی، اردو، انگریزی ہر طریقے سے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ بلاشبہ برصغیر پر انگریزی کی سیاسی استعماریت کی زنجیریں کٹ گئیں تہذیبی استعماریت آج بھی جاری ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اقبال کے پیغام کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ وسعت اختیار کر گئی ہے جس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی ضرورت آج کی نوجوان نسل کو پہلے سے زیادہ ہے۔

#### حوالہ جات

۱۔ علامہ محمد اقبال، بال جبریل، لاہور: عثمان پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۲

۲۔ محمد منور، پروفیسر: "اقبال ریویو"، جنوری ۱۹۸۲ء، جلد: ۲۴، ص ۵۴

۳۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر، فکر اقبال، لاہور: سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۳

۴۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر، فکر اقبال، لاہور: سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۶۸

۵۔ علامہ محمد اقبال ڈاکٹر، کلیات اقبال، لاہور: علم و عرفان پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۲۵۶

۶۔ اسلوب احمد انصاری، پروفیسر: "مطالعہ اقبال کے چند پہلو" کاروان ادب، ملتان صدر، ۱۹۸۶ء، ص ۱۷۹

۷۔ علامہ محمد اقبال ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، لاہور: علم و عرفان پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۲۴۳

۸۔ شازیہ عندلیب ڈاکٹر، آئینہ ایام، فیصل آباد: کریٹیو پبلشرز، ۲۰۲۳ء، ص ۹۳

۹۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر، فکر اقبال، لاہور: سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۷

۱۰۔ محمد ریاض، ڈاکٹر: "افادات اقبال"، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۸۵

۱۱۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال لاہور، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۴ء، ص ۴۵۴

